ISSN Print: 2394-7500
ISSN Online: 2394-5869
Impact Factor: 5.2
IJAR 2020; 6(10): 358-359
www.allresearchjournal.com
Received: 22-08-2020
Accepted: 24-09-2020

Dr. Rashda Amjadi
Zakariya Colony, Sadpura Ramna, Muzaffarpur, Bihar, India

Corresponding Author:
Dr. Rashda Amjadi
Zakariya Colony, Sadpura Ramna, Muzaffarpur, Bihar, India

رام لعل کے افسانوں میں تقسیم ملک کا درد

راشدہ امجدی

فرقہ وارانہ فساد کے موضوع پر دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح رام لعل نے بھی متعدد افسانے لکھے ہیں۔ اوراپنے درد بھرے احساسات کوصفحہئ قرطاس پرمنتقل کیاہے۔ رام لعل نے اپنی آنکھوں سے ایک بڑی آبادی کو نقل مکانی کرتے دیکھا تھا۔ مہاجرین ہندو ہوں یا مسلمان راستے بھر خوف کے سائے میں جیتے تھے بیچ بیچ میں طرح طرح کے واقعات و حادثات ہوتے تھے۔ سرحد کے دونوں طرف لاکھوں لوگ صدیوں پرانے رشتوں اور ٹھکانوں کھیت کھلیانوں اور اس زمین سے دور ہوئے تھے۔ جس پر لوٹ لوٹ کر پلے بڑھے اور جوان ہوئے تھے یہ ایک MASS UPROOTING *(جڑسے اکھڑنے کااجتماعی عمل)تھا جس نے کئی طرح کے مسائل پیدا کئے تھے۔ اردو کے تقریبًا ہر بڑے فنکار نے اس موضوع کو اپنی تخلیق کامحرک بنایا تھا۔ شاعر ناول نگار اور افسانہ نگارسب نے اپنے اپنے طور پر اس موضوع فنی پیرائے میں پیش کیاہے۔ رام لعل نے خود اپنی آنکھوں سے انسانیت کا قتل ہوتے دیکھا تھا۔ اسلئے وہ کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ ان کے افسانہ ''آبلہ'' کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔*

''وہ رہا وہ رہا''
سپاہیوں نے بندوقیں تان لیں
بچّے کو چھوڑ دو۔بچے سے الگ ہو جاؤ
اب وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ کسی کی جان نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے قریب صرف ایک ہی بچہّ تھا۔ جو اس کے فرقے کا نہیں تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے تیزی سے سوچا۔ مرنے سے پہلے کسی کا سر پاش پاش کر دے۔ اس کی نظر اچانک ایک عورت پر پڑی جو برآمدے میں دھوتی سے اپنے جسم کو جلدی جلدی چھپاتی ہوئی روہانسی سی ہو کر کہہ رہی تھی اسے چھوڑ دیجئے میرے بچّے کو چھوڑ دیجئے۔
اس نے ہاتھ بھی جوڑ دئے۔ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کرانجانی قوت کا واسطہ دیا۔ جو اس کا بھلائی کر سکتی تھی۔
یہ افسانہ جہاں معاشرتی طور پر ہیجان اور تلاطم خیز حالات کی منظر کشی کرتا ہے۔ وہیں رام لعل کے کرب کو اجاگر کرتا ہے۔
ماں بچّہ اور اس تیسرے کی تثلیث میں جو عمل اور ردعمل کی کیفیت ابھری ہے۔ وہ نجات کی راہ بھی دکھاتی ہے۔ وہ راہ یہ ہے۔
''اس نے عورت پر سے نظریں ہٹا کر بچّے کو دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف سہمی ہوئی غمناک نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر اس نے بچّے کو آخری بار گلے لگایا۔ اس کے سر پہ بوسہ دیا۔ اور اسے اپنی ماں کی طرف چھوڑ دیا۔
بچہ بھاگ کر ماں کی طرف گیا۔ اور اس کی ماں بھی دوڑکر اس کے پاس آئی اور لپک کر اٹھا لیا گولی سنسناتی ہوئی اس کے کنپٹی پر لگی۔ سرخ سرخ خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔
اس نے گرنے سے پہلے عورت اور اس کے بچے کو بڑی بیچارگی سے دیکھا اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔
عورت یہ دیکھ کر وہ مسکرایا۔ اچانک

بچّے کو سینے کے ساتھ چپکاتے ہوئے اس کے پاس آئی بچّہ اور عورت دونوں کے آنکھوں میں آنسو تھے اور حیرت بھی۔ دیواریں پھاند پھاند کر آنے والے مارو مارو کی آوازیں لگاتے ہوئے قریب آ رہے تھے"۔

فساد ہی کے موضوع پر رام لعل کا ایک اور افسانہ "اکھڑے ہوئے لوگ" ہے۔ اس میں علم نفسیات کی کارفرمائی ہے۔ انسان نے اپنے کٹے ہوئے حِصّوں کو بھُلا نہیں پاتا ہے بلکہ وہ تحت الشعور میں محفوظ ہیں۔ اور وقتًا فوقتًا ان کی یادیں اس کے وجود کو بے قرار کر دیتی ہیں۔ اسی نفسیاتی اصول کے تحت تقسیم ملک کے دوران اور اس کے بعد فسادات برپا ہوئے۔ نقل مکانی ہوا۔ سرحد کے اِس پار سے لوگ اُس پار گئے۔ اُس پار سے اِس پار آئے،نئے ملک میں سب کچھ نئے سرے سے شروع کیا، اور بہت حد تک سنبھالنے میں بھی کامیابی حاصل کی مگر وطن کی یاد آتی ہے۔ اور جب آتی ہے تو دلوں کو بے قرار کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی وطن کی یاد خواب میں بھی آتی ہے۔ اور انہیں بے چین کر جاتی ہے۔ افسانہ "اکھڑے ہوئے لوگ" کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ جن سے میری بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

"یہاں آباد ہوکر انہوں نے کافی دولت کمائی ہے

عالیشان مکان ہے، بچّے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اپنی قدیم پیدائشی جگہ کی یاد بھینّ کو آہی جاتی ہے اور انہیں اپنا وطن یاد آتا ہے۔ وہ جذباتی ہو اٹھتے ہیں۔اسی افسانے میں کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پتہ نہیں کیوں یہ سب مجھے اچھّا نہیں لگتا جیسے یہ سب الیوژن ہے میرانہیں ہے میراتو سب وہاں رہ گیا ہے۔ وہی اب بھی میرے خوابوں میں آتا ہے۔ میں اب بھی کبھی کبھی وہاں اپنے بچپن کے دور میں جا پہنچتا ہوں۔ چھوٹی موٹی گلیوں میں جا کر کھیلتا ہوں۔ اور کبھی کبھی اپنی سورگیہ ماں کو دیکھ کر اس کی گود میں سر رکھ دیتا ہوں۔

یہ طرفہ تماشا بھی اسی افسانے میں ملاحظہ کیجئے کہ بھین جی کی اہلیہ کچھ بھی محسوس نہیں کرتیں کیونکہ وہ جالندھر کی ہیں اور جالندھر ہندوستان میں پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ اس لئے ترک وطن اورنقل مکانی کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اس سے وہ بالکل نابلد ہیں۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں۔

"جو کچھ بھین صاحب کہتے ہیں۔ وہ نفسیاتی طور پر غلط تو نہیں ہے اور بھی کئی ہیں جو اس طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ لیکن کبھی میں نے ایسا محسوس نہیں کیا۔ شاید اس لئے کہ وہاں کچھ سال ہی رہ پائی تھی۔ میرے ماں باپ سرحد کے اس اور کے تھے نا! جالندھر کے اس لئے میں اپنے خاوند کے ایسے جذباتی ابال پر کبھی کبھی ہنس دیا کرتی ہوں۔ اس نے یہاں جس زمیں کو گاڑھی کمائی سے خریدا ہے۔ اس پر ڈبل اسٹوری عالیشان مکان بنوایا ہے اور اس پر اپنی سنگ مر مر کی نیم پلیٹ لگوا رکھی ہے۔ وہ جگہ اس کی اپنی کیسے نہیں ہے"

ظاہر ہے اپنی جڑ سے اکھڑے ہوئے لوگوں کا درد وہ کیسے جان سکتا ہے۔ جو کبھی اکھڑا ہی نہ ہو۔ بھین جی کی اہلیہ نے تو انتقال مکانی کا درد کبھی نہیں جھیلا اس لئے وہ بھینّ جی کی جذباتی اُبال پر ہنستی ہیں۔

"انتقال مکانی کا درد رام لعلؔ نے جھیلا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کے ذہن میں چند گرہیں پڑ گئی تھیں۔ اس لئے جب تقسیم ملک اور ترک وطن کا مسئلہ سامنے آتا ہے وہ پُرانی یادوں میں کھو جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے درد میں اپنا درد محسوس کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنے درد میں دوسروں کو شامل کرتے ہیں۔چند دوسرے اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ جن سے افسانہ نگار کا کرب ظاہر ہوتاہے۔

(۱) "ڈیڈی آپ بہت بور ہیں۔ اپنے پرانے شہر کا قصہ کیوں لے بیٹھتے ہیں۔ مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے۔ بھئی ہم نے تو یہیں آکر ہوش سنبھالا ہے۔ ہم تو اس شہر کے ہیں " , یہ سن کر بھینّ صاحب سروجؔ کو اور میری طرف عجیب نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اداس بھی ہو جاتے اور سونچتے بھی رہ جاتے ہیں۔

(۲) "کسی بے چارے مسلمان کا ہوگا۔ وہ بھی پاکستان کے کسی ہندو کے مکان میں اپنی عزّت و آبرو سمیٹے رہ رہا ہوگا۔ اسے بھی کچھ غم ستاتے ہونگے اپنے اور پرایوں کے وہ بھی لوگوں کے بدلتے ہوئے رویوں کی شکایت کرتا ہوگا"۔

(۳) "یہ موتی اپنی حرکتیں بھول گئی ہے۔ پاکستان سے آنے کے بعد سب نے منع کیا تھا مسلمانوں کے قبرستان میں ڈیرہ مت جماؤ۔ پر کسی کی سُنتی تب نا"

(۴) "یہ صاحب جو ابھی بڑبڑا رہے تھے سر حد پار کسی علاقے کے رہنے والے تھے آزادی کو ہمیشہ کو ستے رہتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کا سب کچھ تباہ ہو گیا تھا"۔

(۵) "خط پڑھتے ہی موتا سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غلام رسول نے اسے کبھی بھلایا نہیں تھا۔ اس کا پتہ کسی ذرائع سے دریافت کرتا رہا تھا۔ بیسیوں دوستوں سے پوچھا تھا کسی نے نہ جواب دیا۔ اور نہ پتہ بتا سکاکسی کسی نے جواب ہی نہیں دیا تھا۔ موتاسنگھ کئی سال ہوئے امرتسر کی ورکشاپ سے تبدیل ہو کر دہلی آگیا تھا۔ کسی کو آسانی سے اس کا پتہ تھوڑے ہی مل سکتا تھا۔ غلام رسول نے اس کے پتے کی کھوج اپنے ملک میں مقیم ہندوستانی ہائی کمشنر کی مدد سے کر لی تھی"۔

فی الحقیقت رام لعل نے روایت سے اپنے کو الگ نہیں کیا۔ بلکہ اس کو اپنے افسانوں میں پیش کیا اور زمینی سّچائی سے ہم آہنگ کیا۔ مشرقی اخلاقیات اور اقدار پر ان کویقین کامل ہے۔ اسی سبب سے انور سدید نے لکھا ہے کہ رام لعل پانی کی کوکھ سے نئی مٹّی ابھار دیتا ہے۔ رام لعل کی یہ بڑی خوبی ہے وہ واقعات و واردات کی پیش کش میں حقیقت کو فراموش نہیں کرتے۔